دعوت و تبلیغ کا داعی

اصلاحِ امت

سلسلہ نمبر 112 | جمادی الاولیٰ 1443ھ | Dec 2021

قرآن کی طرف آئیے!

مؤلف
نعمان نعیم

الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

www.islaaheummat.com | contact@islaaheummat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قرآن کی طرف آیئے !

وحی کی ضرورت عقل کی روشنی میں

دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں ۔ایک قلیل تعداد اُن لوگوں کی ہے جو سرے سے کائنات کے کسی خالق و معبود کا تصور ہی نہیں رکھتے،اُن کے لیے وحی ایک بے معنی چیز ہے اور اُن کے سامنے وحی کی ضرورت کو ثابت کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں، لیکن اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو معبود اور خالق کا نظریہ رکھتے ہیں ؛اگر ہم یہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا کہ ہر مذہب کے ماننے والوں میں یہ امور تسلیم شدہ ہیں:

1 کائنات کا کوئی نہ کوئی معبود ہے۔

2 یہ کائنات خود وجود میں نہیں آئی ،بلکہ اسے ایک قادر مطلق نے پیدا کیا ہے ، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے۔

3 اُسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے۔اور اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اُس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی۔

اگر خاص طور پر مسلمانوں کا ذکر کیا جائے تو:

ہر مسلمان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کے اللہ تعالی نے انسان کو دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے۔اور اس پر کچھ فرائض عائد کر کر پوری کائنات کو اس کی خدمت پر لگا دیا ہے۔لہٰذا دنیا میں آکر انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں۔ایک یہ کہ وہ اس کائنات کے جو اس کے چار اطراف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک کام لے۔دوسرا یہ کہ اس کائنات سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے اللہ رب العزت کے احکامات کو اپنے سامنے رکھے۔اور کوئی کام ایسا نہ ہو جو اللہ کی مرضی اور رضا کے خلاف ہو۔

اِن دونوں کاموں کے لیے انسان کو علم کی ضرورت ہے، یعنی یہ جاننا کہ اِس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں؟اس سے کیسے فائدہ حاصل کرنا ہے؟جب تک انسان کو ان باتوں کا ادراک نہ ہو اس وقت تک وہ کوئی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔اسی طرح اسے پتا نہ ہو کہ ان کاموں میں اللہ رب العزت کی مرضی کیا ہے؟وہ کون سے کاموں کو پسند، ناپسند کرتا ہے؟اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ناممکن ہے۔چنانچہ اللہ رب العزت نے انسانوں کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں، جن سے انسان کو مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔

1: حواسِ خمسہ :آنکھ، کان، ہاتھ پیر، ناک، منہ وغیرہ۔ 2: عقل۔ 3: وحی۔

سب سے پہلے حواسِ خمسہ کو لیتے ہیں۔ انسان کو بہت سی باتوں کا علم حواس سے ہوتا ہے، لیکن حواس کا دائرہ محدوداور طبیعاتی چیزوں تک محدود ہے، جبکہ اوپر جو سوالات مذکور ہیں اُن کا تعلق صرف طبیعات کے ساتھ نہیں بلکہ مابعدالطبیعات کے ساتھ بھی ہے، مثلًا: کن کاموں میں اللہ رب العزت کی مرضی کیا ہے؟وہ کون سے کاموں کو پسند ، ناپسند کرتا ہے،وغیرہ !۔حواس اِن سوالوں کے جوابات دینے سے قاصر ودرماندہ اور عاجز ہیں۔

دوسری چیز عقل ہے۔ہمیں بہت سی باتوں کا علم عقل کے ذریعے ہوتا ہے، لیکن عقل کادائرہ بھی محدود ہے اور اُس کا بھی زیادہ تر دائرہ طبیعات ہی کے گرد گھومتا ہے۔

معلوم ہوا کہ دونوں چیزیں اُس مقصد کے لیے کافی نہیں ہیں جس مقصد کے لیے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا ہے ،نہ ہم محض حواس اور عقل کے ذریعے آزمائش میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اُن تمام فرائض کو ادا کرسکتے ہیں جو ہم پر عائد ہوتے ہیں۔

لامحالہ ہمیں ایک اور چیز کی ضرورت ہے اور وہ چیز ہے: وحی۔مذکورہ باتیں ایسی ہیں جو کے وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں۔

اِس کا قطعاًیہ مطلب نہیں کہ حواس اور عقل کی کوئی ضرورت نہیں۔ایسا نہیں بلکہ یہ تینوں علم کے ذرائع ہیں اور اِن میں سے ہر ایک کی خاص

حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں ان کا علم عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً: میرے سامنے ایک انسان بیٹھا ہوا ہے، مجھے اپنی آنکھ سے معلوم ہو گیا کہ یہ انسان ہے، آنکھ نے اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی بتا دیا کہ : یہ انسان گورا ہے، اِس کی پیشانی چوڑی، ہونٹ پتلے اور چہرہ کتابی ہے۔ لیکن اگر میں یہ باتیں اپنے حواس کو معطل کر کے صرف عقل سے معلوم کرنا چاہوں، مثلاً: آنکھ بند کر کے اُس انسان کا ادراک حاصل کرنا چاہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا علم حواس سے نہیں ، عقل سے ہوتا ہے۔ اوپر جس شخص کا تذکرہ ہوا اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے، اِس کے والدین بھی ہیں۔ حالانکہ میں اُس کے والدین سے واقف نہیں ہوں۔ یہ علم مجھے اپنی عقل سے حاصل ہوا۔ اِس علم کے لیے حواس کافی نہیں تھے۔ اِس سے ثابت ہو گیا کہ غرض جہاں حواس خمسہ کا تعلق ہے، وہاں عقل رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس جواب دے جاتے ہیں، وہاں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔

پہلی بات: اِس کے باوجود یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں، یہ بھی ایک حد پر آکر رک جاتی ہے، چنانچہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس سے ہوتا ہے نہ عقل سے۔ مثلاً: اس شخص کے بارے میں عقل نے بتا دیا کہ اُسے کسی نے پیدا کیا ہے۔ لیکن اس

شخص کو کیوں پیدا کیا ہے ؟اس کے ذمے کیا کیا فرائض ہیں ؟اُس کا کون سا کام اللہ کو پسند ہے اور کون سا نا پسند؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب عقل وحواس مل کر بھی نہیں دے سکتے۔

لامحالہ ان سوالات کے جوابات کے لیے کسی اور ذریعے کی ضرورت ہے اور وہ ذریعہ اللہ رب العزت نے مقرر کیا ہے، اسی کا نام وحی ہے۔تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ بھی نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے ؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں ؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے ؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے ؟

کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ،ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے ، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے ؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہو گی ؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوندِ قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے ؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند ، سورج ،آسمان ، زمین ، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے

ذریعے انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں ؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی ورسالت ہے۔

وحی خالق کائنات ہی کے علم وحکمت کا دوسرا نام ہے۔ اشیائے کائنات کی حقیقت کا علم خالقِ کائنات سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ وحی علم حاصل کرنے کا وہ اعلیٰ ترین ذریعہ ہے جو انسان کو اُس کی زندگی کے متعلق اُن تمام سوالات کا جواب دیتا ہے جو عقل وحواس کے ذریعے حل نہیں ہوسکتے ۔اِس میدان میں صرف عقل اور صرف حواس انسان کی ہدایت کے لیے کافی شافی نہیں، بلکہ اس کے لیے ہم وحی کے محتاج ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ عقل وحی کی ہر بات کا ادراک کرلے۔ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں، بلکہ حواس کا کام ہے،اسی طرح بہت سے دینی عقائد کی خبر دینا عقل کا کام نہیں، بلکہ یہ وحی ہی کا اعلیٰ منصب ہے اور ان کے ادراک کے لیے خالی عقل کا بھروسا کرنا کسی طرح درست نہیں۔

دوسری بات: عقل کے حوالے سے ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ عقل کا طریقہ تجرباتی ہوتا ہے۔ عقلی طریقہ یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو اختیار کرتا ہے، اس پر مدتوں محنت کرتا ہے اور جب آخر میں دیکھتا ہے کہ اس کا تجربہ ناکام رہا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرکے ورایک

مدت تک اس راہ پر چلتا ہے، اسے اس وقت کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ راستہ اُسے منزل مقصود کی طرف لے جائے گا یاہلاکت کے غاروں میں دھکیل دے گا؟اس راستے کے آخری نقطے تک پہنچنے سے پہلے اس حقیقت کا معلوم کر لینا اس کے بس کی بات نہیں ہوتا، لہٰذا وہ ہر اس راستے پر چل نکلتا ہے جو اُس کے سامنے آتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ راستہ اسے صحیح مقام تک لے جاتا ہے؛ لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اتنے لمبے سفر کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستا تو کسی اور طرف جا رہا ہے۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں انسانی عقل تھک کر بیٹھ جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیاانسانی فکر کو اس تجرباتی طریقہ پر چھوڑ دیا جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ بھی ہے جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے؟اِس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! انسان کی راہ نمائی کے لیے ایک اور راستہ بھی ہے اور وہ وحی کا راستہ ہے۔

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ مجرد عقل جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر: اگر کوئی انسان شہوت سے مغلوب ہو جائے تو اس کی عقل شہوت پرستی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غصے اور انتقام کے جذبات میں جل رہا ہو تو اس کی عقل اسے انتقام کے شدید طریقے سکھاتی ہے۔ لیکن عقل کو وحی کے تابع کر دینے سے یہ مسئلہ ختم ہو جاتا ہے،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان

جذبات پر کس طرح قابو پایا جائے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ :اِس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ایک معاشرے میں رہتا ہے اور معاشرے کے تمام افراد اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔انسان اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہر چیز ،خود زمین، اس کے مرکبات و عناصر، درختوں، پھلوں اور مختلف قسم کے حیوانات سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور اِن حاصل شدہ فوائد کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔اِس احتیاج کا نتیجہ خود غرضی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔جو شخص دوسروں سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے وہ لامحالہ معاشرتی تعاون کو نظر انداز کر کے دوسروں سے کام لیتا ہے اور ان کی محنت کا پھل بغیر کسی معاوضہ کے ہتھیا لیتا ہے۔یہ اُس کی عقل کا بھی تقاضا ہوتا ہے۔معاشرہ ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔اگر کہیں انسان دوسرے انسانوں کے معاملات میں معاشرتی تعاون کو اپنانے پر تیار ہوتا بھی ہے تو وہ بھی مجبوری کی وجہ سے۔لیکن جب مفادات کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو یہی معاشرہ فساد و اختلاف کا بنیادی سبب بن جاتا ہے۔اس مقام پر ایسے مشترک قوانین کی ضرورت شدّت سے محسوس ہوتی ہے جو معاشرے کے تمام افراد کی نظر میں قابل قبول ہوں۔ اس لیے کہ جب تک لین دین کے ایک چھوٹے معاملے میں بھی ایسے قوانین موجود نہ ہوں، جو خریدنے اور بیچنے والے کی نظر میں یکساں محترم ہوں تو وہ معاملہ انجام نہیں پاسکتا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی ہدایت اور

مذکورہ قوانین کی طرف راہنمائی کس کے ذمے ہے؟ کیا انسان کی عقل اس کے لیے کافی ہے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ یہ عقل ہی تو ہے جو اختلاف کو دعوت دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عقل کے علاوہ ہمیشہ ایک ایسے راہنما کی ضرورت ہے جس سے وہ مذکورہ ہدایت حاصل کی جاسکے اور وہ راہنما وحی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

سوال: دورِ قدیم کا غیر متمدن و ناخواندہ انسان تو اِس بات کا محتاج تھا کہ اس کی زندگی کے لیے ماوراء العقل وحی کے ذریعے رہنمائی کی جائے، لیکن اب اس عصرِ جدید میں انسان کی عقل ارتقا کی اس منزل پر پہنچ گئی ہے، سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے اور انسانی عقل اتنی مہذب و متمدن ہو چکی ہے کہ انسان وحی کی رہنمائی کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنی زندگی کو جاری رکھتے ہوئے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔

جواب: اِس سے انکار نہیں کہ انسان کی معرفت اور شناخت کا نہایت اہم ذریعہ عقل ہے اور اسی جوہرِ عقل کی بنا پر انسان اشرف المخلوقات ٹھہرتا ہے۔ انسان کے لیے علم کا پہلا ذریعہ حواسِ خمسہ ہیں جن کے ذریعے سے انسان بیرونی دنیا سے مربوط رہتا ہے اور انہی حواس کے ذریعے معلومات حاصل کرتا ہے۔ حواس کے ذریعے حاصل کی گئی معلومات جزئی ہوتی ہیں ، عقلِ انسانی ان معلومات کا تجزیہ و تحلیل کرتی ہے اور اِن سے کلی اصول اخذ کرتی ہے۔ انسانی معاشرے کی ترقی اور ارتقا میں انسانی فکر و عقل کا

کردار نہایت اہم ہے اور دنیا آج جس مقام تک آ پہنچی ہے وہ اسی فکر و عقل کی بدولت ہے؛ لیکن ان تمام تر خوبیوں کے باوجود عقل کا دائرہ بھی محدود ہے اور بعض مسائل آج بھی ایسے ہیں جو عقل کی پہنچ سے باہر ہیں۔ مثلاً: انسان کی عقل یہ ادارک کرنے سے قاصر ہے کہ اُس کا رابطہ اپنے پروردگار کے ساتھ ،خود اپنے ساتھ اور اپنے معاشرے کے ساتھ کس طرح کا ہونا چاہیے اور اس پر وہ کون کون سی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کی ادائیگی کے بعد وہ ایک نیک اور سعادت مند انسان بن سکتا ہے، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جنکی حقیقت کا ادراک اس عقل ناتمام کے بس کا روگ نہیں ہے اور اِن کے جاننے کے لیے عقل کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ وحی ہے۔یوں سمجھ لیں کہ عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے اور وحی وہ خارجی روشنی ہے جس کی موجودگی میں عقل صحیح راستے پر چل سکتی ہے۔

الغرض! انسانی عقل وحی کی روشنی کے بغیر یقین کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی۔لہٰذا جو عقل وحی کی روشنی سے بے نیاز ہو کر اپنا راستہ تلاش کرے گی وہ ہمیشہ تاریکیوں میں ہی بھٹکتی رہے گی اور یہی کچھ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک عقل اور اہلِ عقل کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ خود فکر جدید نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ عقل انسانی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حقیقت کا ادراک کرسکے یا حقیقت کے متعلق صحیح علم دے سکے۔

جہاں تک سائنسی ترقی کی بات ہے تو اس کا تعلق مابعد الطبیعات کے ساتھ ہے ہی نہیں۔ طبیعاتی امور میں بھی اس کے اکتشافات وانکشافات حتمی اور قطعی نہیں ہوتے، چہ جائے کہ وہ امور جن کا تعلق سرے سے عقل وحواس کے ساتھ ہے ہی نہیں۔ مشہور سائنسدان عقل تنہا ہمیں کسی اور سمت لے جاتی ہے، اس لیے کہ عقل کا منصب انسان کو اس کی منزل انسانیت تک پہنچانا نہیں، بلکہ اس کا فریضہ انسانی زندگی کا تحفظ ہے خواہ وہ کسی طریق سے ہو۔انسان تنہا عقل کی روشنی میں صحیح راہ پر نہیں چل سکتا۔ عقل اسے کسی دوسرے راستے پر ڈال دے گی۔ عقل ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے جب ہم اس مقصد سے بلند مقاصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تو وہ اس بلند سطح کے متعلق ممکنات کا توشاید سراغ دے سکے، ورنہ وہ حقیقت کا پتا تو کسی صورت میں دے ہی نہیں سکتی۔

برگسان (BERGSON) لکھتا ہے:

ہماری فکر اس قابل نہیں کہ وہ زندگی کی حقیقت کو ہمارے سامنے لا سکے یا زندگی کی ارتقائی حرکت کا صحیح اور پورا پورا مفہوم پیش کر سکے۔وہ مزید لکھتاہے: عقلِ انسانی کسی معاملے کے متعلق بھی آخری دلیل، مکمل شہادت اور منطقی یقین بھی نہیں پہنچا سکتی، انسانی عقل قطعی یقین تک پہنچانے کے لیے ناکافی ہے۔ عقل تنہا ہمیں کسی اور سمت لے جاتی ہے، اس لیے کہ عقل کا منصب انسان کو اس کی منزل انسانیت تک پہنچانا نہیں، بلکہ اس کا فریضہ انسانی

زندگی کا تحفظ ہے، خواہ وہ کسی طریق سے ہو۔ انسان تنہا عقل کی روشنی میں صحیح راہ پر نہیں چل سکتا۔ عقل اسے کسی دوسرے راستے پر ڈال دے گی۔ عقل ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے جب ہم اس مقصد سے بلند مقاصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تو وہ اس بلند سطح کے متعلق ممکنات کا تو شاید سراغ دے سکے ورنہ وہ حقیقت کا پتا تو کسی صورت میں دے ہی نہیں سکتی۔

فلاسفر شین (Sheen) اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: جس طرح ہمارے حواس اس وقت بہتر کام کرتے ہیں جب عقل کے ذریعے ان کی تکمیل ہو جائے، اسی طرح ہماری عقل اس وقت بہتر کام کر سکتی ہے جب اس کی تکمیل ایمان (وحی) کے ذریعے ہو جائے۔ جو شخص عارضی طور پر عقل سے عاری ہو جائے، جیسے شرابی، اس کے حواس وہی ہوتے ہیں جو پہلے تھے، لیکن اُس وقت وہ کسی بھی صورت اپنے فرائض اُس طرح انجام نہیں دے سکتا جس طرح عقل و ہوش کی حالت میں انجام دیتا ہے، جو حالت عقل کے بغیر حواس کی ہوتی ہے وہی کیفیت ایمان (وحی) کے بغیر عقل کی ہوتی ہے۔

آئن اسٹائن (Einstein) کے الفاظ میں: سائنس صرف یہ بتا سکتی ہے کہ "کیا ہے" لیکن کیا ہونا چاہیے، وہ یہ نہیں بتاتی۔ اس لیے اقدار کی قیمت متعین کرنا اس کے دائرے سے باہر ہے۔ اس کے برعکس مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی فکر و عمل کی قیمت متعین کرے۔ سائنس کے علمبرداروں نے اکثر اوقات اس امر کی کوشش کی ہے کہ وہ سائنس کی رو سے اقدار کے متعلق

قطعی فیصلہ نافذ کر دیں۔ اس طرح وہ مذہب کے خلاف محاذ قائم کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سائنس کا اپنا دائرہ عمل محدود ہے۔ انسانی فکر و عمل کی راہیں متعین کرنا مذہب کا کام ہے جو وحی کے راستے سے اس علم کو حاصل کرتا ہے۔

عقل کو وحی کی جگہ استعمال کرنے کے نتائج:

عقل کو وحی کی جگہ استعمال کرنے سے کیا نتائج سامنے آتے ہیں، اُس کا اندازہ اِس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے عالمِ اسلام میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا، جس کو "باطنی فرقہ" اور "قرامطہ" کہتے ہیں۔ اس فرقے کا ایک مشہور لیڈر گزرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا ہے وہ خط بڑا دلچسپ ہے۔ جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گزارنے کے لیے ہدایات دی ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے: "میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی ہے کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بڑی خوبصورت، سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے۔ اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے۔ لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ نباہ صحیح ہوسکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لیے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی، سلیقہ شعاری

الجامعة النبوية العالمية

کے اعتبار سے بھی، مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس بہن کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دے، اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت و آرام نہ دے۔ یہ بے عقلی ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔ میں اپنے پیرؤوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر ہی میں رکھیں (الفرق بین الفرق للبغدادی، و بیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، بہن اور جنسی تسکین)۔

اور دوسری جگہ عبید اللہ بن حسن قیروانی عقل کی بنیاد پر اپنے پیروؤں کو یہ پیغام دیتے ہوئے کہتا ہے کہ : کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لیے کھانا پکا سکتی ہے، اس کی بھوک دور کر سکتی ہے، اس کی راحت کے لیے اس کے کپڑے سنوار سکتی ہے، اس کا بستر درست کر سکتی ہے تو اس کی جنسی تسکین کا سامان کیوں نہیں کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔ (الفرق بین الفرق للبغدادی، و بیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی)

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تو بڑی بداخلاقی کی بات ہے،۔بڑی گھناؤنی بات ہے، تو اس کا جواب موجود ہے کہ یہ بد اخلاقی اور گھناؤنا پن یہ سب ماحول کے پیدا کردہ تصورات ہیں۔ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جہاں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے آپ اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ورنہ عقلی اعتبار سے کوئی عیب نہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس سے حسب و نسب کا سلسلہ

خراب ہو جاتا ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ نسبوں کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو ہونے دو۔ اس میں کیا برائی ہے؟ نسب کا تحفظ کون سا ایسا عقلی اصول ہے کہ اس کی وجہ سے نسب کا تحفظ ضرور کیا جائے۔ اگر آپ اس استدلال کے جواب میں یہ کہیں کہ اس سے طبّی طور پر نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اب یہ تصورات سامنے آئے ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) سے طبّی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آج مغربی دنیا میں اس موضوع پر کتابیں آرہی ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) انسان کی فطری خواہش (Human Urge) کا ایک حصہ ہے اور اس کے جو طبّی نقصانات بیان کیے جاتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔ وہی نعرہ جو آج سے آٹھ سو سال پہلے عبید اللہ بن حسن قیروانی نے لگایا تھا، اس کی نہ صرف صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے بلکہ آج مغربی ملکوں میں اس پر کسی نہ کسی طرح عمل بھی ہو رہا ہے۔ غور کیجیے! یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو عقل کے دائرۂ کار (Jurisdiction) میں نہیں ہے۔ بلکہ وہاں وحی الٰہی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید کیا ہے؟

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ساری انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ زمین پر یہی ایک آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے۔ دنیا میں اللہ کی مرضیات کو جاننے کا راست ذریعہ یہی قرآنِ

مجید ہے۔ قرآن حکیم ہدایت، رحمت، نور، فرقان اور برہان، اس میں تذکیر و موعظت ہے یہ شفاء لما فی الصدور ہے، ذکر للعالمین، ھدی للناس، بشریٰ للمؤمنین، تبیاناً لکل شیئ، حبل اللہ اور احسن الحدیث ہے۔ یہ فتنوں سے بچانے والی کتاب ہے، اس میں ماضی کا تذکرہ ہے، مستقبل کی خبریں ہیں، باہمی معاملات کے لیے احکام و فیصلے ہیں، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، اس کی تاثیر کبھی ختم نہیں ہو سکتی، جو اس کتاب کو چھوڑ دے، اللہ اسے برباد کر دیتا ہے، اسے چھوڑ کر راستہ تلاش کرنے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔ جس نے قرآن کی بنیاد پر گفتگو کی اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا جائے گا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی اس نے دراصل صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔

قرآن کی تعلیمات عوام و خواص تک پہنچانے کے لیے علمائے کرام درس قرآن کے حلقے منعقد کرتے ہیں، لیکن اس کے وہ فوائد اب دیکھنے میں نہیں آتے جو ماضی میں دیکھنے اور سننے میں آتے تھے، اس کا ذمے دار کوئی ایک طبقہ نہیں، بلکہ اس کی ذمے داری اہلِ علم پر بھی عائد ہوتی ہے اور عوام پر بھی، گویا بے اعتدالی دونوں طرف سے ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ درس قرآن کے موضوع پر کچھ اہم نکات کو ذکر کیا جائے، تاکہ علما و عوام ان کا پاس و لحاظ رکھیں اور فریقین کو اس کا روحانی فائدہ پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ عمل

کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

قرآن کریم کا ایجنڈا اور مقصد:

قرآن کریم کا اپنا ایجنڈا اور مقصد کیا ہے اور وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ دنیا کی کوئی کتاب ہم پڑھتے ہیں تو اس کا موضوع اور مقصد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کس موضوع پر اور کس مقصد کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن قرآن کریم کو پڑھتے ہوئے ہمارا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ اس کا اپنا موضوع اور مقصد کیا ہے اور یہ کس موضوع کی کتاب ہے؟ تاریخ کی ہے، سائنس کی ہے، سیاست کی ہے، طب کی ہے، ادب کی ہے، یا کون سے فن کی ہے۔ ہم اس کتاب اللہ کو اپنے اپنے ذوق کے موضوعات کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش تو کرتے رہتے ہیں کہ سائنس سے دلچسپی والا مفسر اس کی تفسیر میں پوری سائنس بیان کر دے گا، جغرافیہ کے ذوق کا عالم اس میں جغرافیے کو سمونے کی کوشش کرے گا، منطق و فلسفہ کا عالم اسے منطق و فلسفہ کا نمائندہ بنانے میں قوت صرف کرے گا اور طب کی دنیا کا شناور اسے علاج و معالج کی کتاب بنانے میں صلاحیتوں کو استعمال کرے گا...... مگر اللہ تعالیٰ کے اس آخری کلام کا اپنا موضوع کیا ہے؟ اس کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا موضوع:

قرآن کریم نے اپنا موضوع صرف ایک لفظ میں بیان کیا ہے اور وہی اس

کا اصل مقصد ہے جو تلاوت کا آغاز کرتے ہی سامنے آجاتا ہے۔ سورۃ البقرہ کا آغاز اسی سے ہوتا ہے کہ "ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین" (سورہ البقرہ ۲)

"ترجمہ: یہ کتاب شک و شبہ سے بالاتر ہے اور متقین کے لیے "ہدایت" ہے۔

یعنی اس کا اصل موضوع ہدایت ہے، یہ نسل انسانی کی راہ نمائی کے لیے آئی ہے کہ اسے دنیا میں کس طرح رہنا ہے اور انسانوں کو اس دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ قرآن کریم ھدی للناس بھی ہے اور ھدی للمتقین بھی ہے۔ اپنے خطاب کے حوالے سے یہ ھدی للناس ہے مگر نفع کے اعتبار سے ھدی للمتقین ہے۔ اس کو اس مثال سے سمجھ لیا جائے کہ کسی گاؤں میں بجلی نہیں تھی، گاؤں والوں کی کوشش سے بجلی منظور ہو گئی اور گاؤں سے باہر اس مقصد کے لیے ٹرانسفارمر لگا دیا

گیا۔ اب یہ ٹرانسفارمر سارے گاؤں کے لیے ہے لیکن بلب اس کا روشن ہو گا جس کا کنکشن ہو گا۔ دو میل دور اگر کسی گھر کا کنکشن ہے تو اس کی ٹیوب بھی چلے گی اور اے سی بھی چلے گا، مگر ساتھ والے مکان کا کنکشن نہیں ہے تو اس کا زیرو کا بلب بھی روشن نہیں ہو گا۔ اسی طرح قرآن کریم بھی اپنے خطاب کے حوالے سے ھدی للناس ہے، لیکن فائدہ اسی کو ہو گا جس کے ایمان کا کنکشن ہو گا۔

یہ "ھدًی" ہے کیا؟ اس پر بھی غور کر لیجئے! اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو زمین پر اتارا تو دو باتیں اسی وقت فرمادی تھیں:

1 ایک یہ کہ "ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین" (سورہ الاعراف ۲۴)

ترجمہ: تمہیں زمین میں رہنے کو جگہ اور زندگی کے اسباب ملیں گے۔

یہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ ایک مقررہ مدت کے لیے ہوں گے۔ یہ مقررہ مدت ایک فرد کے لیے چالیس پچاس ساٹھ سال کی وہ زندگی ہے جو وہ اس دنیا میں بسر کرتا ہے، اور نسل انسانی کے لیے وہ چند ہزار سال کا وقت ہے جو اس کے لیے اس دنیا میں مقرر رہے۔

2 جبکہ دوسری بات اللہ رب العزت نے یہ واضح طور پر فرمادی تھی کہ "فاما یأتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (سورہ البقرہ ۳۸)

ترجمہ: پس جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایات آئیں گی تو جس نے میری ہدایات کے مطابق دنیا کی زندگی بسر کی وہ خوف و حزن سے نجات پائے گا۔ یعنی جنت میں واپس آئے گا، اور جس نے میری ہدایات کو جھٹلا دیا اسے دوزخ میں جانا ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کی محدود زندگی تم اپنی مرضی کے مطابق گزارنے میں آزاد نہیں ہو بلکہ میری ہدایات کے پابند ہو جو میری طرف سے تمہارے پاس آتی رہیں گی۔

قرآن کریم اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ میں وہ ''ھدًی'' ہوں جس کے مطابق زندگی بسر کرنے کے تم سب پابند ہو۔ یعنی قرآن کریم نسل انسانی کے تمام

طبقات اور تمام افراد کو یہ بتانے آیا ہے کہ تم نے اس دنیا میں کیسے رہنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ یہ سیاستدانوں کی بھی راہنمائی کرتا ہے، حکمرانوں کی بھی، سائنس دانوں کی بھی، ڈاکٹروں کی بھی، انجینئروں کی بھی، جغرافیہ دانوں کی بھی، اور فلسفیوں اور منطقیوں کی بھی راہنمائی کرتا ہے۔اس لیے قرآن کریم کا اصل موضوع اور مقصد یہ ہے کہ ہم اسے ہدایت اور راہنمائی کے لیے پڑھیں اور اس کی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کے معاملات طے کریں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہمارا معاملہ قرآن کریم کے ساتھ کچھ اس طرح کا ہے کہ جیسے کسی کے ہاں کوئی بہت ہی معزز مہمان آجائے وہ اسے پورا پروٹوکول دے، اس کی خدمت کرے اور اس کی آمد سے جتنے فوائد حاصل ہو سکتے ہوں وہ بھی حاصل کرے، لیکن اس سے اس کی آمد کا مقصد نہ پوچھے کہ آپ کس مقصد کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ ہمیں قرآن کریم اور سنت نبویؐ کو اپنی زندگی کا راہ نما بنانا چاہیے ، قرآن و سنت کا اصل مقصد یہی ہے اور اسی راستے پر چل کر ہم دنیا و آخرت میں نجات اور سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔

درس قرآن کی اہمیت، ضرورت و فضیلت:

اس عظیم کتاب کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔

یہ ایک انقلابی کتاب ہے، نظام حیات ہے اور اخروی نجات کی ضامن ہے۔ اس کتاب کو سمجھنا اور سمجھانا، اس پر عمل کرنا، اسے قائم کرنا اور ساری انسانیت تک پہنچانا امت مسلمہ پر عائد کردہ فریضہ ہے۔

قرآن مجید نے رسول اللہ کے فرائضِ منصبی میں تلاوتِ آیات کو ایک اہم ذمہ داری کے طور پر پیش کیا ہے (الجمعہ۔ ۲)

آپ ﷺ کے پاس قرآن کے بھیجے جانے کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ اس کی تشریح لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ (النحل۔ ۴۴)

آپ ﷺ کو تلقین کی گئی کہ قرآن کے ذریعے تذکیر فرمائیں (سورۂ ق۔ ۴۵)۔

قرآن کو سمجھنے سمجھانے اور پھیلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جو کوشش کی وہ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ وہ کفار کے سامنے حضور ﷺ کا قرآن کی تلاوت کرنا ہو یا اصحاب صفہ کی قرآنی مجالس ہوں ۔مختلف قبائل کی راہنمائی کے لیے منتخب صحابہؓ کو معلم بنا کر بھیجنا ہو یا خطبوں میں قرآن کی آیات کا درس پیش کرنا ہو، تمام ممکنہ ذرائع سے قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کا ماحول قائم کیا گیا تھا۔

قرآن قیامت تک کے لیے ہے، اسے ساری انسانیت تک پہنچنا تھا، لہٰذا حضور ﷺ نے اس امت کو حکم دیا کہ میری بات دوسروں تک پہنچادو خواہ

ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر امت کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے قرآن و سنت کو تھامنے کی ہدایت فرمائی۔

آپ ﷺ نے اس شخص کو بہترین فرد قرار دیا جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے اصحاب صفہ کو یہ بشارت سنائی کہ ان کا مسجد جا کر دو آیتیں سیکھنا اس سے بہتر ہے کہ ان کے لیے دو اونٹنیاں میسر آجائیں۔ (مسلم)

آپ ﷺ نے ماہرِ قرآن کو معزز فرشتوں کی معیت کی خوشخبری سنائی۔ (متفق علیہ)

آپ ﷺ نے جن دو لوگوں کو قابل رشک قرار دیا، ان میں ایک وہ تھا جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ اس کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف رہے۔ (متفق علیہ)

دنیا میں قرآن کی خدمت میں مصروف رہنے والے کو بشارت دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف چڑھتا جا۔ (ترمذی)

قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے پر زور دیتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اہلِ قرآن! قرآن کو تکیہ نہ بنالو، بلکہ اس کی تلاوت کرو جس طرح سے اس کی تلاوت کا حق ہے، رات اور دن کے اوقات میں، اور اسے علانیہ پڑھو، خوش

آوازی کے ساتھ پڑھو اور جو کچھ مضامین اس میں ہیں ان پر غور کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔ (بیہقی) خیر کی طرف دوسروں کی راہنمائی کرنے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب کا تیقن دیا گیا ہے۔ (مسلم)

درسِ قرآن

رسول ﷺ اور صحابہ اکرامؓ کی مادری زبان عربی تھی۔ لہٰذا ان کے لیے محض اس قرآن کی تلاوت ہی کافی تھی۔ لیکن جہاں تک موجودہ مسلمانوں کا تعلق ہے (خصوصاً بر صغیر میں) ان میں بہت سے عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ان کے سامنے محض تلاوت آیات کافی نہیں۔ مسلمانوں میں قرآن فہمی کے لیے تفاسیر کا مطالعہ ہونا چاہیے۔اس کے علاوہ دروسِ قرآن اور اجتماعی مطالعۂ قرآن کی مجالس کا اہتمام بھی مفید ذرائع ہیں۔درسِ قرآن دینے کے لیے چند بنیادی امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ذیل میں ان نکات کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

درسِ قرآن کے مقاصد

☆ تعلق باللہ پیدا کرنا:

درس کا بنیادی مقصد اللہ کے بندوں کو اللہ کے کلام کے ذریعہ اللہ سے جوڑنا ہے۔

☆ تبلیغ رسالت:

درس کا دوسرا مقصد انبیاء کرام □ اور بالخصوص آخری رسول ﷺ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔

☆تزکیۂ نفس:

درس کا تیسرا مقصد فکر آخرت کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ، اسلامی احکام کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح اور ایمانیات کے ذریعہ انسانیت کی نجات ہے۔

☆صالح جماعت کی تیاری:

درس کا چوتھا مقصد صالح افراد کو جمع کرنا اور انہیں نیکی کے کاموں کے لیے تیار کرنا ہے۔

درس قرآن (یا کسی بھی موضوع پر اظہار خیال) کے لیے چار عمومی اصول

(۱) Planning درس کی منصوبہ بندی کی جانی چاہیے۔انتخاب ، مخاطب کا تعین، مجلس کے مقاصد سے واقفیت ،اِس کی تفصیل ''پہلا مرحلہ'' کے عنوان سے بیان کی جارہی ہے۔ ّ ّ

(۲) Preparation یعنی تیاری۔ منصوبہ بندی کے بعد مختلف تفاسیر کے مطالعہ اور غور و فکر کے ساتھ بھرپور تیاری ہونی چاہیے۔اِس کی تفصیل ''دوسرا مرحلہ'' کے عنوان سے بیان کی جارہی ہے۔

(۳) Practice یعنی مشق۔ جو تیاری کی گئی ہے، اس کے استحضار کے لیے مشق بھی ضروری ہے ۔جب آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ نے درس کا

موضوع بھی منتخب کرلیا ہے اور اُس کے حوالے سے مطالعہ ، مراجعہ، مکالمہ وغیرہ بھی کرلیا ہے اورآپ درس دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہیں؛تو اپنادرس ریکارڈ کرلیجیے اور اُسے ناقدانہ طور پر خود سن کر اپنی کمی کوتاہی نوٹ کیجیے پھر اُس کے ازالے کے لیے مزید محنت و مشق کیجیے، یا چند افراد کو، چاہے وہ آپ کے ہم جماعت یا اہلِ خانہ ہی کیوں نہ ہوں، جمع کرکے اُن کے سامنے درس دیجیے، پھر اُن کے تاثرات معلوم کرکے اپنی کمی کوتاہی دور کرنے کے لیے مطلوبہ محنت کیجیے،تاکہ جب آپ درس دیں توآپ کا درس اِن تمام نقائص سے پاک ہو۔

(۴) Presentation یعنی پیش کش۔ منصوبہ بندی، تیاری اور مشق کے ساتھ بہترین پیش کش بھی درس کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔اِس کی تفصیل ''تیسرا مرحلہ'' کے عنوان سے بیان کی جارہی ہے۔

درس قرآن دینے والوں کے لیے ہدایات

(1) تصحیح نیت:

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اپنی نیت کو خالص کر لینا چاہیے ۔ درس قرآن شہرت کے لیے اور علمی نکات بیان کرکے فوقیت جتانے کے لیے ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔ یاد رہے شیطان ساتھ لگا ہوا ہے۔ اللہ کا کلام اللہ کے بندوں کو سنانے سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہونی چاہیے ۔

قرآن کا پیغام واضح انداز میں اور موئثر زبان میں پیش ہونا چاہیے۔ درس قرآن کا مقصد یہ ہو کہ اللہ کے کلام کو خود سمجھنا ہے اور دوسروں کو سمجھانا ہے۔ اس کے احکام پر خود عمل کرنا ہے اور دوسروں کو بھی عمل پر ابھارنا ہے۔ مدرس قرآن اللہ کے کلام کے ذریعے اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑے۔ دین کے صحیح تصور سے لوگوں کو واقف کرائے۔لوگوں کو نیک کاموں کی طرف راغب کرے۔ برائیوں کے ازالے کے لیے آمادہ کرے۔ان کے اندر انقلابی اسپرٹ پیدا کرے۔ اجتماعی جدوجہد کا مزاج پیدا کرے۔اتحاد و اتفاق کی فضا ہموار کرے۔ ایک دوسرے کو خیر خواہی پر ابھارے۔قرآن سمجھنے اور سمجھانے کے ماحول کو فروغ دے۔

(2)اپنی صحیح حیثیت کا تعین:

درس دینے والے کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی حیثیت کا اسے احساس ہو اور خود کو بھی اس درس کا مخاطب سمجھے۔درس دینے والے داعی، مصلح اور مبلغ ہوتے ہیں۔ انہیں خود کو طالب علم سمجھنا چاہیے۔ ان کی حیثیت مفسر یا محدث کی نہیں‌ہوتی۔ یہ تصور ہر مدرس کو علم کے آفات سے محفوظ رکھے گی اور ان کے اندر علم کا زعم اور فخر و تکبر نہیں پیدا ہو گا۔

(3) تیاری کے بغیر درس نہ دیں:

درس قرآن پیش کرنا ایک ذمے دارانہ کام ہے، کوئی سہل کام نہیں۔ ایسا

نہ ہو کہ غیر مستند یا غیر اہم باتیں بیان ہو جائیں۔ یاد رہے کہ اس پورے عمل میں بے انتہا اجر ہے۔ لہٰذا اس پر محنت کرنا ثواب سے خالی نہیں، البتہ لاپرواہی پر گرفت کا اندیشہ ہے۔

(4) غیر ضروری تفصیلات سے گریز:

درس قرآن پیش کرتے ہوئے بسا اوقات مدرس بہت دور نکل جاتے ہیں۔ لہٰذا کوشش اس بات کی ہو کہ جملۂ معترضہ طویل نہ ہونے پائے۔ اصل موضوع سے نہ ہٹا جائے۔ جو مضامین پیش کیے جائیں وہ موضوع کے تابع ہوں۔

(5) تصنع اور دکھاوے سے اجتناب:

درس قرآن گا گا کر نہ دیا جائے۔ زبان آسان ہو، پُر تکلف جملے استعمال نہ کیے جائیں مدرس کا مقصد تفہیم ہو (سمجھانا ہو)، محض حاضرین وسامعین کو محظوظ کرنا نہیں۔

(6) گفتگو کی نکات میں تقسیم:

اس سے نکات لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ کا یہی طرز عمل رہا ہے۔ یہ بھی حضور ﷺ کا طریقہ رہا ہے کہ آپ ﷺ اہم بات کو تین مرتبہ دہراتے، یہاں تک کہ وہ بات صحابہ □ پر واضح ہو جاتی۔

(7) اپنے ظاہر کو شائستہ بنائیں:

مدرس کا ظاہر (وضع قطع) بھی بہتر و باوقار ہونا چاہیے۔اس سے سننے والوں میں آمادگی پیدا ہوگی۔ بہترین درس پیش کرنے والے اگر غیر شائستہ لباس میں درس دیں تو سامعین پر کوئی اچھا تاثر نہیں قائم کریں گے ۔البتہ ظاہر کی شائستگی سے بہتر سیرت و کردار ہو۔ قول و عمل اور ظاہر و باطن میں مطابقت اور یکسانیت ہو، تضاد ہر گز نہ ہو۔

(8)قرآن کی اساسی حیثیت:

قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔قرآن کی تشریح میں قرآن کے حوالے دیے جائیں۔ وضاحت میں مدرس کے جملے اتنے طویل نہ ہوجائیں کہ لوگ اصل آیت ہی کو بھول جائیں جس کی وضاحت کی جارہی تھی۔اپنے جملے بقدر ضرورت ہی استعمال کریں۔ درس قرآن کے دوران اپنی گفتگو لمبی کرنا اور قرآنی آیات پیش نہ کرنا گویا قرآن سے فائدہ نہ اُٹھانا ہے، مدرس کو چاہیے کہ وہ قرآن اور سامعین کے درمیان حائل نہ ہو، بلکہ دونوں کو جوڑنے کا کام کرے۔

(9)حالات حاضرہ پر انطباق:

قرآن قیامت تک کے لیے راہنما ہے۔ لہٰذا اس کی عصری معنویت واضح کرنا بھی ضروری ہے۔آج کے حالات میں منتخب شدہ آیات کیا پیغام رکھتی ہیں، وضاحت کی جائے اور پیش نظر درس کو موزوں(Relevent) بنایا جائے۔ان سب کے ساتھ یہ بات بھی واضح رہے کہ درس کا کوئی متعین

طریقہ نہیں ہے کہ اس پر اصرار کیا جائے کہ درس اسی طرح ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ درس کا مقصد واضح رہے اور طریقہ عمدہ اور مفید اختیار کیا جائے۔ یہی مطلوب ہے۔

نوٹ: اِن تمام ہدایات پر عمل کرتے ہوئے درس قرآن کی ترتیب یوں ہو گی: پہلے حسنِ صوت کے ساتھ بہترین تلاوت کی جائے اور قرآن کے شایان شان معیاری ترجمہ پیش کیا جائے۔ اِس کے بعد مختصر انداز میں پیش نظر حصے کا پس منظر یا زمانۂ نزول پیش کیا جائے ۔ پھر مرکزی موضوع و مضمون کا خلاصہ بیان کیا جائے۔اس کے بعد قرآن، حدیث اور سیرت کی روشنی میں آیات کی مفصل تشریح کی جائے۔ اس دوران مشکل اور کلیدی الفاظ کی وضاحت کی جائے۔ جامع انداز میں خلاصۂ کلام پیش کیا جائے۔ پیش کردہ انتخاب کی عصری معنویت (relevance) کو واضح کیا جائے۔ موجودہ انسانوں کے لیے اس میں کیا پیغام ہے، بتایا جائے۔ سوالات کا وقفہ دیا جائے۔ دعائیہ کلمات سے درس کو مکمل کیا جائے۔ یاد رہے کہ دیے گئے وقت میں اپنے درس کو پورا کرلینا چاہیے۔

درس قرآن کے آداب

درس سے پہلے جن امور کا لحاظ ضروری ہے،انھیں آداب کہا جاتا ہے۔ درسِ قرآن کے اہم آداب درج ذیل ہیں۔

☆بغور تلاوت:

درس دی جانے والی آیات کی پوری توجہ سے تلاوت کریں۔ دورانِ تلاوت ہر لفظ پر غور کریں اور آیات کے باہمی ربط کے ساتھ ساتھ الفاظ کے باہمی ربط پر بھی غور کریں۔ اس لیے کہ قرآن بار بار اپنے مخاطب کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

☆ربط کلام کا لحاظ:

نظمِ کلام قرآن کا اہم ترین حصہ ہے، اسے کبھی نظر انداز نہ کریں۔ سورت کے مرکزی عنوان کا پتا لگانے کے ساتھ آیات میں مذکور مفاہیم کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن عوام الناس کو اس کی باریکی میں الجھانے سے گریز کریں۔

☆انذار و تبشیر پر نظر:

قرآن کے انذار و تبشیر (ڈراوا اور خوشخبری) کو کبھی نظر انداز نہ کریں بلکہ اس پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور ان پہلوؤں کو ذہن نشین کرلیں،اس لیے کہ اصلاح نفس کا یہی موثر ترین ذریعہ ہے۔

☆طریقۂ تفسیر:

آیات کی تفسیر میں پہلے آیات، پھر احادیث، پھر سیرت اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور آخر میں علما کے اقوال سے مدد لیں، تاکہ قرآن کی تشریح

مقصدِ قرآن کے دائرہ میں ہو۔

☆خلاصہ تیار کرنا:

دورانِ مطالعہ اپنے درس کو نکات میں تقسیم کر لیں، تاکہ اپنے درس کو مربوط اور منظّم انداز میں پیش کر سکیں۔

دورانِ درس قابلِ لحاظ امور

☆انشراح صدر کی دعا:

سب سے پہلے اللہ سے انشراح صدر اور زبان کی سلاست کے لیے دعا کریں، جیسا کہ یہ انبیاء کی سنت رہی ہے۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی أمری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی یا کوئی اور دعا پڑھ لیں۔

☆ترتیل ولحن:

درس دی جانے والی آیات کی خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کریں اس لیے کہ قرآن اپنے اندر خود ایک تاثیر رکھتا ہے جس کا بار بار مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ رسول ﷺ کا فرمان ہے:-"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خوش الحانی سے قرآن نہیں پڑھتا۔" (بخاری)

☆ سلیس ترجمہ:

آیات کا ترجمہ معیاری ادبی اور سلیس زبان میں ہو تاکہ سامعین دل چسپی اور پوری توجہ سے سن کر سمجھ سکیں۔ لفظی ترجمہ سے بچیں، اس لیے کہ ہر

زبان کا اپنا اسلوب ہوتا ہے جس کے اختیار کرنے میں ہی تاثیر ہوتی ہے۔

☆عبارت آرائی سے پرہیز:

مشکل الفاظ ، طول بیانی اور پرُ تکلف عبارت سازی سے پرہیز کریں اس لیے کہ اللہ کا کلام انسانوں کی سمجھ سے زیادہ قریب ہے۔اسی طرح اللہ کے لیے اس کے شایان شان الفاظ، رسولوں کے لیے ان کے شایان شان،ایمان والوں کے لیے ان کے مناسبِ حال اور کفار و مشرکین کے لیے انہی کے مناسب الفاظ استعمال کیے جائیں۔

☆پس منظر اور خلاصہ :

سورہ اور آیات کا پس منظر اور خلاصہ نہایت مختصر الفاظ میں بیان کردیں۔

☆مشکل الفاظ کی وضاحت:

سامعین کے معیار کا خیال رکھتے ہوئے مشکل الفاظ کی وضاحت کریں۔خاص طور پر اُن الفاظ کو واضح کریں جن کو اُن کے معروف معانی سے ہٹ کر قرآن کریم نے کسی خاص معنی میں استعمال کیا ہے، یہ اُس کے مرادی معنی کہلاتے ہیں۔

☆تزکیہ نفس پر نظر:

انذار و تبشیر کے اسلوب پر نظر رکھیں اور دورانِ درس اس سے بھرپور مدد لیں۔واقعات بیانی کے بجائے سامعین کے تزکیہ کو اپنے پیش نظر رکھیں۔

☆صفاتِ الٰہی کا ربط:

آیت میں بیان کردہ صفاتِ الٰہی کا ربط بھی بیان کریں کہ اللہ کی ان صفات کا یہاں کیوں ذکر ہوا ہے۔

☆مرتب ترجمہ و تشریح:

آیات کی ترتیب وار تشریح کرتے جائیں اور قرآنی نظائر و مستند احادیث و سیرت کے واقعات سے مدد لیں۔ غیر مستند واقعات بیان نہ کریں اس لیے کہ "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کردے۔" (مسلم)

☆غیر ضروری تفاصیل سے احتراز:

قرآن حصولِ مقصد کے لیے غیر ضروری تفصیلات میں جانے سے گریز کرتا ہے۔ لہٰذا موضوع سے ہٹ کر جزئیات میں نہ الجھیں کہ درس کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جائے۔ مثلاً کسی لفظ کی تشریح کرتے ہوئے درس کا اکثر وقت اسی میں نہ گزار دیں۔

☆مقصد درس پر نظر:

درس دیتے ہوئے کبھی بھی مقاصد درس نگاہ سے اوجھل نہ ہوں۔

☆موجودہ حالات سے ربط پیدا کرنا:

ممکن حد تک درس کی تعلیمات کو حالاتِ حاضرہ سے جوڑیں اور متعلق

لوگوں اور حالات کے درمیان مناسبت بیان کریں تاکہ پورا منظر سامعین کی نگاہوں میں آجائے اور ان کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ قرآن آج بھی حالات پر اتنا ہی منطبق ہوتا ہے جتنا نزول کے وقت تھا۔

☆خلاصۂ درس:

آخر میں ایک بار پھر خلاصہ بیان کر دیں تاکہ پوری بات سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

☆دعا:

دعا پر اپنے درس کو ختم کریں اور اللہ سے توفیق مانگیں کہ اس کی توفیق کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ ،ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆سوال وجواب:

درس کے بعد سوال وجواب کے لیے بھی موقع دیں تاکہ سامعین کے اندر اگر کوئی خلش رہ گئی ہو تو اس کو دور کر سکیں۔ اگر فوری طور پر جواب نہ دے سکتے ہوں تو خوش اسلوبی سے آئندہ کے لیے وعدہ کر لیں اور اس کو اپنے وقار کا مسئلہ نہ بنائیں اس لیے کہ اسلاف کا یہی طریقہ تھا۔

درس قرآن کے مراحل

درسِ قرآن پیش کرنے کے لیے تین مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔(۱) انتخاب اور مخاطب کا تعین۔(۲) فہم۔(۳) تقریر یا درس۔

پہلا مرحلہ: انتخاب اور مخاطب کا تعین:

درس قرآن کی تیاری کا پہلا مرحلہ آیات یا سورت کا انتخاب ہے۔اور اس انتخاب کے لیے جو چیز ضروری ہے وہ مخاطب کا تعین ہے۔اس مرحلے میں اس بات کا تعین ہونا چاہیے کہ درس کن لوگوں کے سامنے دیا جانا ہے۔حاضرین کون ہیں؟مرد ہیں یا خواتین، بچے ہیں یا بڑے۔سامعین مختلف نوعیت کے ہوسکتے ہیں۔ مثلاً نوجوان، طلبہ، طالبات، اساتذہ، معززین، پڑھے لکھے لوگ، عوام الناس اور عام مسلمان، ملی جلی محفل، وابستگان تحریک و تنظیم، ارکان، کارکنان، ذمہ داران، وغیرہ۔مخاطب کے تعین کے بعد ان کی نفسیات و ض-روریات کے مطابق درس کے لیے آیات یا سورت کا انتخاب ہو اور گفتگو میں اس کا خیال رکھا جائے۔بزرگوں کی محفل میں والدین کے حقوق کے ساتھ چھوٹوں کے حقوق پر محیط انتخاب مناسب محسوس ہوتا ہے۔موقع و حالات کی مناسبت سے بھی انتخاب ہوسکتا ہے۔بسا اوقات منتظمین کی جانب ہی سے موضوع یا سورت یا آیات کی نشاندہی کی گئی ہوتی ہے۔اس موقع پر منتظمین سے یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس انتخاب کے تحت کیا امور تفہیم کے لیے پیش نظر ہیں؟ کن باتوں پر زور دینے کی ضرورت ہے؟اگر کوئی متعین نکات (synopsis) کی شکل میں ہیں تو انہیں معلوم کرلیا جانا چاہیے۔

دوسرا مرحلہ: درس قرآن کی تیاری:

درس قرآن کی تیاری کا دوسرا مرحلہ اس انتخاب کا فہم ہے جو درس کے لیے پیش نظر ہے۔ اس مرحلے کو مکمل کیے بغیر درس نہ دیا جائے۔ اس مرحلے میں بہتر یہ ہے کہ منتخب شدہ آیات یا سورت کو حفظ کرلیں۔ بصورت دیگر اس حصہ کو اتنی مرتبہ پڑھا جائے کہ ذہن پر وہ آیات نقش ہوجائیں۔ اس کے بعد متعلقہ سورت کا خاکہ اور مباحث معلوم کرلیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ دعائیہ انداز میں ہے۔ سورۂ عصر میں کامیابی کا راز بتایا گیا ہے۔ سورۂ انفال میں جنگ بدر پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ وغیرہ!

مزید یہ کہ متعلقہ سورت میں کتنے حصے ہیں، سمجھ لیا جائے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں تین حصے ہیں:

(۱) تعریف و توصیفِ خداوندی۔ (۲) استعانت و اقرار۔ (۳) ہدایت کی طلب۔

متعلقہ انتخاب میں کلیدی الفاظ تلاش کیے جائیں۔ ہر سورت اور آیت میں کچھ الفاظ ہوتے ہیں جن کی کلیدی حیثیت ہوتی ہے۔ جن کی وضاحت پر آیت کی تشریح منحصر ہوتی ہے۔ ان الفاظ کو پہچاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں یہ الفاظ کلیدی ہیں: حمد، رب، رحمٰن، رحیم، دین، عبادت، استعانت، صراط المستقیم، انعمت علیہم، مغضوب علیہم اور ضالین۔ سورۂ عصر میں

:۔ عصر، خسر، ایمان، عمل صالح، تواصی، حق اور صبر۔

قرآن کو سب سے پہلے قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اس لیے کہ قرآن خود ''القرآن یفسر بعضہ بعضا'' کے مصداق اپنی وضاحت خود کرتا ہے۔ مثلاً قصہ آدم و ابلیس قرآن میں سات الگ الگ مقامات پر الگ الگ تفصیلات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ان تمام مقامات کو ملا کر پڑھنے سے مضمون مکمل ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں جن انعام یافتہ لوگوں کے راستے کی ہدایت طلب کی گئی ہے اس کی وضاحت بطور مثال سورۂ نساء میں ہے کہ وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے۔قرآن کو قرآن سے سمجھنے کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ حدیث میں اس سے متعلق کیا ہدایات اور وضاحتیں موجود ہیں۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ □ میں اس معاملہ میں کیا راہنمائی موجود ہے۔پھر عصر حاضر کے تناظر میں ان آیات کا انطباق کیا جائے۔

تفاسیر کے مطالعہ کے علاوہ خود ان آیات پر غور وتدبر کریں، یہاں تک کہ آپ پر منتخب شدہ سورت یا آیت کا مدعا واضح ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دوران درس آپ پر یہ واضح نہ ہو کہ آخر اس سورت یا آیت میں کیا بیان کیا گیا ہے؟

تیسرا مرحلہ: تقریر یا درس:

درس قرآن کی تیاری کا تیسرا مرحلہ خود درس پیش

کرنا (Presentation) ہے۔ درس قرآن پیش کرنے کے لیے پہلی چیز عمدہ تلاوت ہے۔ قرآن کو خوش الحانی سے تلاوت کرنا چاہیے۔ منتخب شدہ آیات یا سورت کی عمدہ تلاوت کی مشق کی جائے۔ خود حافظ نہ ہوں تو کسی حافظ و قاری کے روبرو تلاوت کی تصحیح کرالی جائے یا انٹرنیٹ پر دنیا بھر کے قراء کی تلاوت موجود ہے۔ مختلف قراء کی تلاوت (متعلقہ حصے کی) مکرر سنی جائے اور حسن صوت کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ قرآن کی تلاوت میں خود ایک کشش ہے جسے سننے والے کے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اگر تلاوت روکھی پھیکی رہے، تو سننے والے مثبت اثر قبول نہیں کریں گے، لہٰذا بہتر سے بہتر انداز میں تلاوت کی جائے۔

تلاوت کے بعد جو ترجمہ پڑھا جائے وہ معیاری ہو۔ گنجلک ترجموں سے احتراز کیا جائے جو واضح نہ ہوں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ترجمہ پڑھنے کا انداز بھی باوقار ہو۔ درس کے دوران زبان آسان استعمال کی جائے۔ پُر تکلف اور مصنوعی انداز اختیار نہ کیا جائے۔ انگریزی کا مقولہ ہے:

Speak to express and not to impress

(سمجھانے کے لیے تقریر کی جائے یا درس دیا جائے، اپنی خطابت کا لوہا منوانے کے لیے نہیں۔)

یہ بات یقینی ہے کہ ”دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے“ لہٰذا

سمجھانے کی غرض سے درس دیا جائے تو اس کے اندر تاثیر بھی پیدا ہو گی۔ مصنوعی انداز میں درس دینے کی وجہ سے مدرس کا وقار مجروح ہو سکتا ہے۔درس کے دوران اس بات کی فکر ہو کہ متعلقہ حصہ کی بہترین تفہیم ہو جائے۔

نوٹ: ایک اچھا مقرر وقت کی مناسبت سے اپنے درس کو منصوبہ بند انداز میں پیش کر سکتا ہے۔ایک گھنٹے میں جو درس پیش کیا جائے ، اس کا خلاصہ پانچ منٹ میں بھی بیان کر سکتا ہے۔لہٰذا جتنا وقت مقرر ہو، اسی کے اعتبار سے نکات کا احاطہ بھی کیا جائے۔وقت کے مطابق اپنے درس کے متعلقات تقسیم کیے جائیں اور حسب ضرورت اختصار اور تفصیل سے کام لیا جائے۔

موضوعاتی درسِ قرآن کی تیاری

بسا اوقات کسی ایک موضوع کے تحت بھی درس دینے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ یہ موضوع دوسروں کی جانب سے بھی دیا جاسکتا ہے یا خود متعین کرنا ہوتا ہے۔بہر حال موضوع جو بھی ہو،اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ موزوں (relevant) ہو، زندہ ہو، عملی ہو، تعمیری واصلاحی ہو۔

موضوع قرآنیات میں سے بھی ہو سکتا ہے۔مثلاً قرآن کی کسی اصطلاح پر درس، جیسے صبر، شکر، احسان۔ (وغیرہ)

موضوعاتی درس کے لیے دوسرا مرحلہ مناسب آیات کی تلاش ہے۔ اس

کام کے لیے تفاسیر کے انڈکس (فہرستوں) کا مطالعہ کیا جائے۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں وہ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (دکتور فواد عبدالباقی) سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس تلاش کے بعد جو آیات موضوع سے متعلق معلوم ہو جائیں ان کا تفسیر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

موضوع سے متعلق معلومات کے لیے حدیث اور سیرت کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ مطالعہ کے دوران ملنے والی معلومات کے (حوالوں کے ساتھ) نوٹس بنائے جائیں۔ نوٹس میں ذیلی عنوانات قائم کیے جائیں۔ پھر نکات کی صحیح ترتیب قائم کی جائے۔ اس طرح ایک خاکہ درس کے لیے تیار کیا جائے، جس کو مکمل استحضار اور مشق کے بعد بہتر انداز میں اجتماع میں پیش کیا جائے۔

وما توفیقی إلا باللہ

قارئین کرام کی توجہ کیلئے

موجودہ معاشرے اور نوجوان نسل کے اذہان کے تناظر میں دینی رہنمائی کیلئے وقت کی تنگی اور مطالعہ کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مختصر رسالے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان رسالوں کی اشاعت کا مقصد گھر گھر اور در در دینی معلومات کو پہنچانا اور خالصتاً للہ امت کی اصلاح مقصود ہے۔

اس نیک مقصد میں آپ بھی معاون بن کر حسب توفیق اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماہانہ ایک ہزار (=/1000) روپے سے باقاعدہ ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کے دیئے ہوئے ایڈریس سے مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت پر ہمارا نمائندہ رسید کے ساتھ وصول کرتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنی استعداد کے مطابق ایک ہزار سے کم اور زیادہ رقم سے بھی ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں، نیز کئی ماہ کی رقم یکمشت بھی ادا فرما سکتے ہیں۔

اس کے عوض شائع ہونے والا ہر رسالہ (جو مختلف موضوعات پر ہوتا ہے) بذریعہ ڈاک آپ کو ارسال کیا جاتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے اپنی خواہش کے مطابق عامۃ الناس کی دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔

آپ جامعہ بنوریہ عالمیہ کے دیئے ہوئے آن لائن اکاؤنٹ میں بھی رقم جمع کروا کر بینک سلپ دے کر رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

الملتمس: مفتی محمد نعیم رئیس وشیخ الحدیث الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ سائٹ کراچی

اپیل!

بحمداللہ تعالیٰ [illegible] صفحات اور مختلف موضوعات پر مشتمل اصلاح امت کے عنوان سے پابندی سے آنے والے رسالے عوام الناس میں پذیرائی حاصل کر رہے ہیں۔ اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کے لیے قارئین سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

رقم جمع کرانے کیلئے اکاؤنٹ

Jamia Binoria Trust
UBL,S.I.T.E.,Karachi,Pakistan

رابطہ کیلئے: مولانا محمد جنید صاحب

02132575228+02132575229
موبائل: 0322-2394550

0300-3970930